(۶۴)

شفقت علیٰ خلق اللہ کی تلقین

(فرمودہ ۵۔ دسمبر ۱۹۳۰ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں جلسہ سالانہ کے متعلق دوستوں کو پہلے خطبہ جمعہ میں توجہ دلا چکا ہوں ایک بات رہ گئی تھی وہ آج بیان کرتا ہوں۔ قادیان سے باہر کے دوستوں کو چاہیئے کہ حسبِ معمول دوسرے دوستوں کو تحریک کر کے جلسہ سالانہ میں لائیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر سال جلسہ پر چھ سات سَو آدمی داخلِ سلسلہ ہوتے ہیں ان لوگوں کو یہ موقع اسی طرح حاصل ہوتا ہے کہ جماعت کے احباب انہیں اپنے ساتھ جلسہ میں لاتے ہیں اس لئے جتنی تعداد زیادہ ایسے لوگوں کی جلسہ پر آئے گی اُتنی ہی زیادہ تعداد بیعت کرنے والوں کی ہوگی۔

اِس کے بعد میں احباب کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اسلام کے اہم اصول میں سے ایک اصل شفقت علیٰ خلقِ اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں سے محبت اور شفقت کا سلوک کرنا۔ محبت کے سلوک میں کوئی شرط نہیں آدمی خواہ بڑا ہو یا چھوٹا انسانی فطرت ایسی ہے کہ خواہ کوئی شخص بڑا ہو یا چھوٹا شفقت اور محبت کا پیاسا ہوتا ہے۔

بڑائی یا چھوٹائی مال کے ساتھ عام طور پر دنیا میں تعلق رکھتی ہے یا حکومت سے متعلق سمجھی جاتی ہے مگر دینی طور پر علم اور دین سے متعلق سمجھی جاتی ہے۔ جس چیز میں کسی انسان کو زیادتی حاصل ہو اُس میں وہ بڑا خیال کیا جاتا ہے اور جس میں کمی ہو اُس میں چھوٹا۔ مگر کسی انسان کو خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں بنایا کہ وہ صرف مال سے زندہ رہ سکے۔ نہ کسی انسان کو ایسا بنایا ہے جو صرف

حکومت سے زندگی بسر کر سکے یا صرف علم اور دین کی وجہ سے دوسروں کی امداد کا محتاج نہ رہے بلکہ بیسیوں چیزیں ایسی بنائی ہیں کہ انسان ان کا محتاج ہے۔ اقسام کے لحاظ سے بھی اَن گنت ہیں اور اعداد کے لحاظ سے تو اُن کی گنتی انسانی طاقت سے باہر ہے۔ درحقیقت خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے لاتعداد احتیاجیں پیدا کی ہیں جن کی غرض یہی ہے کہ بندہ کو ہر وقت خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا جائے اور ان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کسی انسان کی ضرورتیں پورے طور پر کوئی بندہ پوری نہیں کر سکتا۔

ایک شخص بیمار ہوتا ہے گھر کے تمام لوگ اُس کی تیمارداری میں مصروف ہوتے ہیں لیکن بعض دفعہ وہ ایسا بیمار ہوتا ہے کہ ایک ساعت کی غفلت بھی اسے سخت تکلیف میں مبتلاء کر دیتی ہے۔ دنیا میں کونسا انسان ایسا ہو سکتا ہے جس پر ایک ساعت کی غفلت بھی نہ آتی ہو۔ اگر کسی کے بیوی بچے سارا دن اور رات اُس کی تیمارداری کرتے ہوئے جاگتے رہیں۔ تو ایسا ہو سکتا ہے اور ہوتا رہتا ہے کہ اٹھارہ یا بیس گھنٹے جاگنے کے بعد اونگھ آنے لگتی ہے اور غفلت طاری ہو جاتی اسی وقت اگر درد ہو رہا ہو تو اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے' اگر پیچش کی تکلیف ہو تو اُس میں اضافہ ہو جاتا ہے' اگر بخار ہو تو اُس کی تکلیف بڑھ جاتی ہے گویا عین اُس وقت جب بیمار کی ضرورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں اُس کے تیمارداروں کی تھکاوٹ زیادہ بڑھ جاتی ہے بلکہ اگر کوئی چُست و چالاک آدمی بھی ہوتا ہے اور بیمار کی مدد کرنے کے لئے بالکل تیار رہتا ہے۔ تو بھی باوجود اس کے ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ وہ وقت پر مدد نہیں کر سکتا۔ اِس وقت مجھے ایک مثال یاد آ گئی کچھ عرصہ ہؤا یو پی کا گورنر باوجود اُس عزت واعزاز کے جو ایک صوبہ کے گورنر کو حاصل ہوتا ہے امداد حاصل نہ کر سکا۔ وہ بیمار ہؤا اُسے دل کا ضُعف ہؤا اور وہ چلتے چلتے گرا ڈاکٹر ساتھ تھا اور ہر طرح کی امداد کرنے کے لئے تیار تھا وہ دوڑا تا کہ پچکاری کرنے کا سامان لائے لیکن اس کے آتے آتے گورنر کی جان نکل گئی۔ اِس سے ظاہر ہے کہ جب مدد دینے والا آدمی بھی موجود ہو' سامان بھی موجود ہو تو بھی انسان ہر چیز کو جس سے مدد مل سکتی ہے فوراً نہیں پکڑ سکتا۔ وہ ڈاکٹر بہت ہوشیار آدمی تھا اور اتفاق ایسا ہؤا کہ وہ احمدی تھا۔ اُس نے اپنا سارا زور لگایا کہ جہاں وہ چیزیں پڑی ہیں جن سے مدد مل سکتی ہے اُن تک پہنچے اور انہیں لائے مگر باوجود اس کے کہ انتہائی کوشش کی گئی وہ نہ لا سکا اور گورنر فوت ہو گیا۔ ایسے وقت میں سوائے خدا تعالیٰ کے کون سا انسان ہے جو کسی کی مدد کر سکے ساری

دنیا کے سامان بھی موجود ہوں تو کام نہیں آسکتے۔
غرض اللہ تعالیٰ نے بندہ کو ہر حالت میں اپنا محتاج ثابت کرنے کیلئے ایسے سامان پیدا کئے ہیں۔اور ایک بڑے سے بڑے انسان کو باوجود اپنی بڑائی کے' ایک متکبر سے متکبر انسان کو باوجود اپنی خود پسندی کے' ایک بڑے سے بڑے منکر کو باوجود اپنے انکار اور کفر کے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اِس دنیا کے سارے ساز وسامان کے باوجود ایک اور چیز چاہئے جو میری ضرورت اور حاجت پوری کرے۔ پس دنیا میں صرف مال یا صرف حکومت یا صرف دین یا صرف علم کام نہیں آسکتا بلکہ انسان بہت سی اور چیزوں کا بھی محتاج ہے اور ان ہی میں سے ایک محبت اور شفقت بھی ہے۔ ایک بادشاہ کے پاس حکومت اور دولت ہو فرض کرو اس کی بیوی بچوں کو اس سے محبت نہیں اس محبت کے نہ ہونے کی وجہ سے اسے اپنی حکومت' آرام اور اپنی دولت تسلی نہیں بخش سکتی۔ باوجود بڑی سے بڑی حکومت رکھنے کے اور باوجود دولت کے خزانے بھرے ہونے کے وہ جہنم میں ہی پڑا ہوگا۔
پس ایک بادشاہ بھی شفقت اور محبت کا اُسی طرح محتاج ہے جس طرح گلیوں میں پھرنے والا ایک فقیر شفقت اور محبت کا محتاج ہے کیونکہ شفقت اور محبت' دولت کی قائم مقام نہیں ہوسکتی نہ حکومت اس کی قائم مقام ہوسکتی ہے۔ محبت اور شفقت کا میدان بالکل علیحدہ ہے اور جب تک وہ اپنی جگہ پر پوری نہ ہو انسان آرام اور تسکین نہیں پاسکتا۔ پس یہ غلط ہے کہ غریب اور کنگال ہی شفقت کے محتاج ہوتے ہیں۔ درست بات یہ ہے کہ سارے کے سارے ہی اس کے محتاج ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک کنگال اور فقیر شفقت کا محتاج ہے اسی طرح ایک دولت مند اور امیر بھی اس کا محتاج ہے ہاں فرق اس طرح ہوتا ہے کہ غریب اور کنگال کے لئے شفقت روپے کی صورت میں ہوتی ہے مگر امیر کے لئے اور طرح ہوتی ہے۔
ایک بادشاہ کے لئے تو شفقت یہ ہوگی کہ اس کی خاطر قربانی کی جائے لیکن ایک غریب سے شفقت یہ ہوگی کہ اسے مالی امداد دی جائے۔ ایک بیمار سے شفقت اس کی خدمت کے رنگ میں ہوگی لیکن ایک پیار سے محروم انسان کے لئے شفقت اور محبت کا رنگ الگ ہوگا۔
ماں باپ سے جُدا بچے کے لئے شفقت کا رنگ کیا ہے۔ اسے پیسہ یا کھلونا دینا نہیں بلکہ اُس سے پیار کرنا ہوگا۔ ایک شخص امیر الامراء ہو' اربوں روپیہ اس کے پاس ہو وہ بھی موت سے بچا ہوا نہیں۔ اگر اس کی بیوی مر جائے اور دو سال کا بچہ پیچھے رہ جائے تو اربوں روپیہ بھی اس

بچے کی تسلی کا باعث نہ ہو سکے گا بلکہ اگر ایک چوہڑی بھی پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرے گی تو اُسے سب سے بہتر سمجھے گا کیونکہ اس کے لئے شفقت اور محبت کا ذریعہ پیار ہے۔ غرض ہر جگہ شفقت اور محبت کا رنگ الگ ہوتا ہے اور گو حقیقت یہی ہے کہ امیر اور غریب دونوں ہی اس کے متعلق یکساں حیثیت رکھتے ہیں' دونوں ہی شفقت اور محبت کے یکساں محتاج ہیں لیکن انسان کے اندر جو احساس کی طاقت ہے وہ ایک ہی چیز کو گراں یا سُبک' بھاری یا ہلکا کر دیتی ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو جھڑکتی ہیں مگر بچوں کے خیال میں بھی نہیں آتا کہ ماں کی جھڑکی کوئی تکلیف دہ چیز ہے۔ بعض اوقات وہ جھڑکی پر ہنس کر بھاگ جاتے ہیں اگر ماں مارتی ہے تو اسے محبت سے چمٹ جاتے ہیں اگر کسی حرکت پر ڈانٹتی ہے تو بچہ کہتا ہے میں اِسی طرح کروں گا۔ لیکن ایک یتیم جس کے ماں باپ نہیں ہوتے اس سے اگر آدھا معاملہ بھی اس طرح کا کیا جائے تو وہیں منہ بسورنے لگ جاتا ہے اور ہمت ہار دیتا ہے۔ کیوں؟ حالانکہ اس کے ساتھ کم معاملہ ہؤا۔ اس وجہ سے کہ اس کے احساسات بہت تیز ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسے خیال آتا ہے چونکہ میرے ماں باپ نہیں اس لئے مجھ سے سختی کی جاتی ہے۔ اِس وجہ سے وہ معاملہ جو بچوں سے روزانہ ماں باپ کرتے ہیں وہی اگر یتیم سے کیا جائے تو سمجھتا ہے کہ اس سے سختی کی گئی ہے۔

غرض یتیم سے معاملہ اگر ایک سا بلکہ ماں باپ والے بچوں سے کم درجہ کا بھی کیا جائے تو بھی اُسے دُگنا احساس ہوگا۔ یہی حال اور یہی فرق امیر اور غریب میں' ماتحت اور افسر میں نظر آتا ہے۔ وہی معاملہ جب ایک امیر سے کیا جائے تو وہ کہتا ہے کوئی حرج نہیں ایسا ہؤا ہی کرتا ہے لیکن جب غریب سے ہو تو اُسے بہت صدمہ ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے غریب ہونے کی وجہ سے مجھ سے ایسا معاملہ کیا گیا۔ اِسی طرح وہی معاملہ اگر ایک افسر سے کیا جائے تو وہ اسے معمولی سمجھتا ہے لیکن اگر ماتحت سے ہو تو وہ بہت محسوس کرتا ہے اور کہتا ہے ماتحت جو ہؤا جو جی چاہے کر لیا جائے۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اُن کے احساسات بہت تیز ہوتے ہیں۔ پس جہاں ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ عدل اور انصاف' شفقت اور محبت سے لوگوں کے ساتھ سلوک کرے وہاں خدا تعالیٰ نے یہ بھی ضروری رکھا ہے کہ دوسروں کے احساسات کا خیال بھی رکھا جائے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کو ظاہری طور پر ہی حسنِ سلوک نہیں کرنا چاہئے بلکہ دوسروں کے احساسات کا خیال رکھنا بھی اس کا فرض ہے۔ چنانچہ قلوب کے احساسات کے خیال

کا اس طرح پتہ لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قلبی کیفیات کو ایمان کے لحاظ سے بھی اور کفر کے لحاظ سے بھی ظاہری کیفیات پر ترجیح دی ہے۔ یعنی ظاہری انکار پر دل کے انکار کو مقدم رکھا ہے اور ظاہری نماز پر دل کی نماز کو مقدم رکھا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے رسول کریم ﷺ کے پاس بعض لوگ آکر کہتے تُو خدا کا رسول ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ تُو خدا کا رسول ہے مگر یہ کہنے والے منافق ہیں یہ نہیں مانتے کہ تو خدا کا رسول ہے۔[1] دیکھو وہ منہ سے رسول کریم ﷺ کے رسول ہونے کا اقرار کرتے مگر خدا تعالیٰ کہتا ہے چونکہ یہ دل سے نہیں کہتے اس لئے نہیں مانتے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ ایمان قلب کے اقرار کا نام ہے اگر زبانی اقرار کا نام ایمان ہوتا تو اُن کے اقرار کو اس طرح حقارت سے نہ ٹھکرایا جاتا۔ کوئی کہہ سکتا ہے اگر عملی اقرار ہو تو اسے تسلیم کیا جاسکے گا مگر معلوم ہوتا ہے اسلام نے ایسے عملی اقرار کو بھی ٹھکرا دیا ہے جس کے ساتھ قلب کا اقرار نہ ہو۔ حدیثوں میں آتا ہے ایک شخص ایک جنگ کے موقع پر اس زور شور سے لڑ رہا تھا کہ دیکھنے والے کہہ رہے تھے بڑی قربانی اور جان نثاری کر رہا ہے۔ مسلمان بے اختیار ہو کر کہتے اللہ تعالیٰ اس پر فضل کرے آج کا دن اسی کا دن ہے۔ اسی اثناء میں رسول کریم ﷺ نے اس کی طرف اُنگلی اُٹھائی اور فرمایا اگر کسی نے دنیا میں چلتا پھرتا دوزخی دیکھنا ہو تو اسے دیکھ لے۔ صحابہؓ کہتے ہیں ہمارے دلوں میں رسول کریم ﷺ کے نشانات دیکھ کر نہایت پختہ ایمان تھا مگر یہ فقرہ سن کر ہم بھونچکا سے ہو گئے کہ ایک شخص جس نے آج اِس قدر اسلام کی خدمت کی ہے اِس کی نسبت رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا میں چلتا پھرتا دوزخی دیکھنا ہو تو اسے دیکھ لو یہ کیا بات ہے۔

ایک صحابی کہتے ہیں بعض لوگوں میں مَیں نے یہ چرچا سنا تو میں نے تہیّہ کیا کہ میں اس وقت تک اِس کا پیچھا نہ چھوڑوں گا جب تک رسول کریم ﷺ کی بات کی صداقت ظاہر نہ ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لئے آخر لڑائی میں وہ شخص زخمی ہوا۔ اور زخموں کی تکلیف سے اُس نے چلّانا شروع کیا۔ لوگ اُسے تسلّی دیتے اور کہتے کیوں گھبراتے ہو آج تم نے خدا کا بڑا فضل حاصل کیا یہ تکلیف تو تھوڑی دیر کی ہے تمہیں جنت کی بشارت ہو۔ وہ کہتا مجھے جنت کی بشارت نہ دو کیونکہ میں نے اسلام کی خاطر ان لوگوں سے جنگ نہیں کی بلکہ ان سے میری دشمنی تھی اِس لئے مَیں ان کے خلاف لڑا۔ آخر جب وہ زخموں کی تکلیف برداشت نہ کر سکا تو اپنی تلوار رکھ کر اس پر گرا اور خودکشی کر لی۔[2] اور اسلام کے نزدیک خودکشی کرنے والا جہنمی ہوتا ہے تب اُس صحابی نے

کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات سچی ہوگئی۔ اب دیکھو اُس شخص نے ظاہری طور پر بڑی خدمت کی لیکن چونکہ اُس کے دل میں ایمان نہ تھا اِس لئے یہ خدمت اُسے جہنم میں لے گئی۔ وہ صحابی کہتے ہیں اِس شخص کا انجام دیکھ کرمَیں دوڑا دوڑا رسول کریم ﷺ کے پاس آیا۔ رسول کریم ﷺ اس وقت ایک مجلس میں بیٹھے تھے میں نے بلند آواز سے کہا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ معلوم ہوتا ہے رسول کریم ﷺ کو بھی اس وقت یہ انتظار تھا کہ جو بات مَیں نے کہی ہے اُس کی تصدیق ہونے والی ہے اس لئے آپ نے فرمایا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔[۳] میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ غرض قلب کی حالت زبان کے اقرار یا اعمال پر مقدم ہوتی ہے۔ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے یہ تو ایمان کے متعلق ہے۔ اب کفر کے متعلق دیکھتے ہیں تو اس میں بھی قلب کی حالت کو زبان اور اعمال پر مقدم کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے اگر کوئی مجبور ہو کر زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دے لیکن اس کے دل میں ایمان ہو تو ہم اسے معاف کر دیتے ہیں۔[۴] دیکھو ایسے شخص کے ظاہری جسم نے کفر کیا مگر اس کے دل نے کفر نہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے اسے گناہ تو قرار دیا مگر فرمایا اسے ہم توبہ سے دھوڈالتے ہیں۔ تو کفر کی حالت میں بھی اور ایمان کی حالت میں بھی قلب کی حالت مقدم سمجھی جاتی ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ نے دل کے احساسات کو کفر میں بھی مقدم رکھا ہے اور ایمان میں بھی تو کیوں سلوک میں انہیں ہم مقدم نہ رکھیں۔ جب جسم اور زبان سے جو کہ ادنیٰ ہیں، خدا تعالیٰ نے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے تو جو اِن سے اعلیٰ ہے یعنی دل اُس سے کیوں اچھا سلوک نہ کیا جائے۔

پس میں جماعت کے دوستوں سے خصوصاً اُن سے جن کے ذمہ سلسلہ کے کام ہیں کہتا ہوں کہ لوگوں کے قلوب کے احساسات کا خیال رکھیں۔ محض دیانتداری سے کام کرنا اور لوگوں کے قلوب کی پرواہ نہ کرنا خدا تعالیٰ کے حضور بری نہیں قرار دے سکتا۔ ہم کیسی ہی دیانتداری سے کام کریں پھر بھی خدا تعالیٰ لوگوں کے قلوب کی پرواہ نہ کرنے کے متعلق ہمیں پوچھے گا۔ اس میں شُبہ نہیں کہ جُرم کم ہوگا مگر اِس میں بھی شُبہ نہیں کہ دلوں کے احساسات کا خیال نہ رکھنے کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا۔ میں نے بتایا ہے جو ماتحت ہوتے یا غریب ہوتے ہیں یا جو اپنے آپ کو غریب سمجھتے ہیں۔ (میں نے دیکھا ہے کئی ایسے لوگ جو اپنے آپ کو غریب کہتے اور اپنے مقابلہ

میں دوسرے کو امیر قرار دیتے ہیں وہ اس سے مالی حالت میں بہتر ہوتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ ہم غریب ہیں۔) تو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ غریب ہیں اگرچہ وہ غریب نہیں ہوتے لیکن چونکہ اپنے آپ کو غریب سمجھتے ہیں اس لئے ان کے احساسات کی حالت غریبوں کی سی ہی ہوتی ہے اُن سے معاملہ کرتے وقت بھی رِفق اور نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے شفقت اور محبت سے پیش آنا چاہئے اور کبھی کسی کو خیال نہ کرنا چاہئے کہ میں افسر ہوں۔

افسری اسلام میں نہیں افسری نام ہے خدمت کا۔ بے شک جس شخص کے ذمہ کسی کام کی ذمہ داری ہو اُس کا فرض ہے کہ اس کام کو بہتر صورت میں کرنے کا خیال رکھے اور اپنے اس فرض کو ہر بات میں مقدم کرے۔ اگر اس میں کوئی روک ڈالتا ہے تو اسے دور کرے یا اگر کسی سے معاملہ کرنے میں وقت کا حرج ہوتا ہے تو اس سے علیحدگی اختیار کر لے لیکن بغیر دین کے کام کو نقصان پہنچائے لوگوں کے دلوں کے احساسات کا خیال رکھنا اور ان کے دلوں کو ٹوٹنے سے بچانا اس کا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ بھوکے کو روٹی کھلانا۔ ہاں اگر کام میں روک پڑتی ہو یا حرج واقع ہوتا ہو تو اس کا فرض ہے کہ نرمی سے اور محبت سے اس پر ظاہر کر دے کہ وہ اس کا کام نہیں کر سکتا یا اس کی طرف توجہ نہیں کر سکتا یا اس کے رویّہ میں اصلاح کی ضرورت سمجھتا ہے۔

اسلام نے مساوات پیدا کی ہے اور جب تک ہمارے اپنے گھروں میں مساوات پیدا نہ ہو ہم دوسرے لوگوں میں کس طرح پیدا کر سکتے ہیں۔ اسلام میں جو مساوات رکھی گئی ہے اس کے معنے یہی ہیں کہ کوئی ایسا رنگ نہ پایا جائے جو افسری اور ماتحتی، امیری اور غریبی کے احساسات پیدا کرتا ہے۔ جو کام کسی کے ذمہ لگایا جائے اس کا کرنا اس پر فرض ہوتا ہے اس لئے اس میں حرج واقع ہونے کے خیال سے بعض دفعہ کسی بات سے انکار بھی کرنا پڑتا ہے مگر اس میں سختی نہیں ہونی چاہئے۔ میں اپنے متعلق ہی خیال کرتا ہوں اور اسی سے اندازہ لگا سکتا ہوں کہ کام کرنے والوں کو کیا حالات پیش آتے ہیں۔ جتنے آدمی روزانہ مجھے پرائیوٹ طور پر ملنے کی خواہش کرتے ہیں اگر میں ان سب سے ملوں تو ایک منٹ بھی کوئی اور کام نہ کر سکوں۔ اب میں دس میں سے دو کے ساتھ ملتا ہوں کیونکہ اگر سب کے ساتھ اتنی دیر ملوں جتنی دیر وہ چاہتے ہیں تو نہ میں ڈاک دیکھ سکوں، نہ عبادت کر سکوں، نہ سلسلے کے کاموں کی نگرانی کے لئے وقت نکال سکوں، نہ کوئی اور کام کر سکوں ان کاموں کی وجہ سے دس میں سے آٹھ سے کسی نہ کسی بہانے سے انکار کرنا پڑتا ہے۔ اس

سے ایک حد تک انہیں تکلیف تو ہوتی ہوگی یہ میں تسلیم کرتا ہوں مگر انہیں میری مصروفیات کی اطلاع دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ جتنی زیادہ سے زیادہ نرمی اختیار کر سکتا ہو اختیار کرے انہیں بتائے اور سمجھائے کہ مجھے اور کام بھی ہیں ان میں بھی مجھے وقت صرف کرنا ہوتا ہے۔ اِس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ کام کرنے والے احساسات کا اس طرح خیال رکھیں کہ اپنا اصل فرض ہی بھول جائیں اس طرح کا ہر دلعزیز بھی کوئی کام نہیں کر سکتا۔ ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ایک ہر دلعزیز تھا جو دریا کے کنارے بیٹھا رہتا اور جو لوگ اسے دریا سے پار اُتارنے کے لئے کہتے اُنہیں پار لے جاتا۔ ایک دفعہ وہ ایک شخص کو اُٹھا کر پار لے جا رہا تھا اور ابھی دریا کے نصف میں ہی گیا تھا کہ ایک اور نے اُسے کہا مجھے بہت ضروری کام ہے مجھے جلدی لے جانا۔ اس نے پہلے شخص کو اُسی جگہ رکھا اور دوسرے کو لینے کے لئے واپس آ گیا۔ جب اُسے لے کر گیا تو ایک تیسرے نے کہا کہ مجھے بہت جلدی جانا ہے مجھے لے جاؤ۔ دوسرے کو بھی پانی میں رکھ کر واپس آ گیا اور تیسرے کو لے چلا۔ ان میں سے تیرنا کوئی بھی نہ جانتا تھا پانی کا جو ایک ریلا آیا تو پہلے نے کہا میاں ہر دلعزیز مجھے بچانا۔ جسے اُس نے اُٹھایا ہوا تھا اسے پانی میں رکھ کر پہلے کو بچانے کے لئے دوڑا اُس تک ابھی پہنچا نہ تھا کہ تینوں ڈوب گئے۔ تو احساسات کا لحاظ رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے فرائض کو بُھول جائے بلکہ یہ ہے کہ فرائض ادا کرتے ہوئے جتنا خیال رکھ سکتا ہو رکھے۔

اگر کسی بات کا انکار کرو تو اس طرح نہیں کہ تم افسر ہو بلکہ اس طرح کہ بھائی ہوتا کہ بڑا اور چھوٹا، امیر اور غریب، عالم اور جاہل کا احساس اس طرح مٹ جائے کہ کسی کی زبان پر نہ آئے۔ کوئی ایک شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ اور اُس وقت تک ایسا نہیں ہو سکتا جب تک بڑے اور چھوٹے، افسر اور ماتحت، عالم اور جاہل نہ مِل جائیں۔ ایک دانہ ایک شخص کا پیٹ نہیں بھر سکتا تو لاکھوں کا کہاں بھر سکتا ہے۔ یہ کام ساری جماعت کے کرنے کا ہے اور ساری جماعت کو ہی کرنا چاہئے مگر وہ جنہیں دنیا میں افسر کہا جاتا ہے انہیں چاہئے کہ نمونہ بنیں تاکہ جو ماتحت کام کرنے والے ہیں وہ دوسروں کے لئے نمونہ بنیں اور اِس طرح جماعت سے بڑے اور چھوٹے، افسر اور ماتحت کا احساس مٹ جائے۔ بے شک دلوں اور عادات کا بدلنا بہت بڑی قربانی چاہتا ہے اور اِس کے لئے نفس پر چُھری رکھنی پڑتی ہے لیکن بتاؤ کب تک اس نفس کو زندہ رہنے دو گے۔ جب تک تم نفس کے گلے پر چُھری نہیں رکھو گے دنیا کو فتح بھی نہیں کر سکو گے۔ ہم کہتے ہیں ہم دنیا میں

مساوات قائم کرنے کیلئے کھڑے ہوئے ہیں لیکن اگر ہم اپنے گھروں میں ہی مساوات قائم نہیں کر سکتے تو دوسروں میں کیا کریں گے۔ بے شک اِس میں بہت مشکلات ہیں مگر وہ مشکلات حل کرنے کیلئے ہی ہیں اور جب تک کوئی قوم انہیں حل نہ کرے کامیابی کس طرح حاصل کرسکتی ہے۔

بسااوقات ایک شخص حق پر ہوتا ہے اور دوسرا ناحق پر مگر جو ناحق پر ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے اس سے سختی کی جارہی ہے۔ اِس احساس کا دور کرنا بہت ہی مشکل کام ہے مگر مؤمن اسی لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ ایسی مشکلات کو دور کریں۔ اور نبی اس لئے آتے ہیں کہ مشکلات کے پہاڑوں کو ہٹائیں۔ تنکے کو تو ہر ایک ہٹا سکتا ہے اِن مشکلات پر غالب آنا بے شک پہاڑ کا ہٹانا ہے مگر جب تک ہر ایک پھاوڑہ لیکر کھڑا نہ ہو جائے کون اسے دور کرسکتا ہے۔ اگر تمہیں کامیاب ہونا ہے تو ان پہاڑوں کو دور کرنا ہوگا۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ احساسات میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں خصوصیت سے ان کو توجہ دلاتا ہوں جو افسر کہلاتے ہیں۔ اور انہیں توجہ دلاتا ہوں جو بڑے کہلاتے ہیں پھر انہیں توجہ دلاتا ہوں جو عالم کہلاتے ہیں مگر یہ کہہ دینا چاہتا ہوں اِس کے یہ معنے نہیں کہ وہ اپنے فرائض چھوڑ دیں۔

فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے لئے اگر کسی کے احساسات کی قربانی کرنی پڑے تو ضرور کریں لیکن اس میں حرج نہ واقع ہوتے ہوئے جتنی نرمی دکھاسکیں دکھائیں تا کہ یہ احساس مٹ جائے کہ کوئی بڑا ہے اور کوئی چھوٹا۔

حقیقی بڑائی دوسروں سے خود اَدب کرالیتی ہے بڑائی کی ظاہری شکل سے ادب حاصل نہیں ہوسکتا۔ میں نے دیکھا ہے کئی لوگ جو دین سے حقیقی تعلق نہیں رکھتے بڑھ بڑھ کر مجھ سے باتیں کرتے ہیں اور کئی ایسے ہوتے ہیں جو بڑے اخلاص کا اظہار کرتے ہوئے ہاتھ چُومتے ہیں مگر ان کے ہاتھ چُومنے پر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے ہاتھ کو نجاست لگادی اور اُن کی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ گویا گالیاں دے رہے ہیں۔ تو ظاہری ادب کچھ حقیقت نہیں رکھتا اگر دل میں ادب ہے تو وہ زبان سے خود ادب کرالے گا۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ شیشے کی تصویر اصلی آدمی نہیں ہوتا مگر یہ بھی کس طرح ممکن ہے کہ شیشے کے سامنے آدمی کھڑا ہو اور شیشہ میں اس کی شکل نظر نہ آئے۔ اسی طرح گو ظاہری ادب حقیقی چیز نہیں مگر یہ بھی ممکن نہیں کہ دل میں ادب ہو اور ظاہر میں نہ ہو۔ پس حقیقی چیز دلوں کی محبت ہے اگر یہ ہو تو ظاہر آپ ہی درست ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے۔ کہتے ہیں کسی زمیندار سے جسے بہت زیادہ کھانے کی عادت تھی ایک شخص نے کہا۔طبیبوں نے لکھا ہے پیٹ کے تین حصے ہوتے ہیں ایک روٹی کے لئے ایک پانی کے لئے اور ایک سانس کے لئے ۔زمیندار نے کہا ہم یہ نہیں مانتے ہمارا تو یہ طریق ہے کہ پیٹ بھر کے روٹی کھالیتے ہیں پانی اپنی جگہ خود نکال لیتا ہے باقی رہا سانس اس کے متعلق اس کا پنجابی کا محاورہ ہی لُطف دے سکتا ہے۔ اُس نے کہا۔''ایہہ سوہرا آئے آئے۔ نہ آئے نہ آئے' اس دی کی لوڑ اے۔'' یعنی سانس آئے نہ آئے اس کی کیا ضرورت ہے اگر روٹی نہ کھائی تو پھر کیا کرنا ہے۔ حالانکہ سب سے مقدم سانس ہی ہوتا ہے۔ یہی حال ظاہری ادب کا ہے وہ آپ ہی آ جاتا ہے اصل چیز دلوں پر قبضہ کرنا ہے اگر یہ کرلیں تو ظاہر آپ ہی آپ درست ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے قلوب اور نفوس کی اصلاح کرسکیں جو ترقی کی جڑھ ہے۔ ہم اپنے نفوس میں بھی اور اپنے بھائیوں کے نفوس میں بھی اپنے بڑوں کے نفوس میں بھی اور اپنے چھوٹوں کے نفوس میں بھی تبدیلی پیدا کرسکیں۔

(الفضل ۱۱۔ دسمبر ۱۹۳۰ء)

---

۱ المنٰفقون: ۲

۲ بخاری کتاب القدر باب العمل بالخواتیم

۳ بخاری کتاب الجهاد باب لا یقول فلان شهید

۴ النّحل: ۱۰۷